شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری
قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

فروری 2022ء/جمادی الاخریٰ، رجب المرجب ۱۴۴۳ھ • جلد نمبر 14، شمارہ نمبر 2 • قیمت: 20 روپے • سالانہ ممبرشپ: 200 روپے • تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- بنی اسرائیل کی تعلیم وتربیت کا ایک اہم واقعہ
- عبادات اور اَخلاقیات کا باہمی ربط
- حضرت حسان بن ثابت خزرجی نجاری انصاری رضی اللہ عنہٗ (1)
- استحصالی نظام کی باسی کڑھی میں اُبال
- چاروں اَخلاق کے حصول کے لیے مسنون ذکر واَذکار
- ابوالقاسم عباس بن فرناس
- ڈالر سے محبت ہی بہت ہے ؟!
- OIC کا کھوکھلا پن!
- اسلام کی تمام تعلیمات کا بنیادی مقصد
- اجتماعِ جمعۃ المبارک اور اشاعتِ دین کے اُمور
- اجتماعِ جمعۃ المبارک کی وجہ جواز
- جمعۃ المبارک کی اجتماعیت کے اثرات
- حضرت مولانا محمد اختر قاسمیؒ کا سانحۂ ارتحال
- حضرت رائے پوری رابعؒ کے قریبی اعزہ میں صدماتِ وفیات
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ’’میں نے حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) کی زبانی خود سنا ہے، وہ حضرت (شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) کے سامنے بیان فرما رہے تھے کہ:

’’حضرت مولانا (محمد) انور شاہ صاحب (کشمیری) اور (حضرت) مولوی عبیداللہ صاحب (سندھی) دونوں کی بڑی استعداد (قابلیت) ہے۔ حضرت! مولوی عبیداللہ (میری ہدایت پر دیوبند سے) دہلی جا رہے ہیں۔ مَیں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ وہاں کوئی ایسی (مشکل) بات نہ کرنا، جس کو عام طور پر لوگ سمجھ نہ سکیں اور شور (ردِ عمل) ہو۔ کیوں کہ تمھاری باتوں (کی حقیقت) کو مَیں ہی سمجھتا ہوں، اَور کوئی (شخص) یہاں (مخصوص مذہبی ماحول میں) نہیں سمجھتا۔ اور (مفتیٔ اعظم) مولوی کفایت اللہ صاحب بھی مستعد (فکری و عملی طور پر باصلاحیت) ہیں۔ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ مولوی عبیداللہ صاحب (سندھی) کو روکتے ٹوکتے (توجہ دلاتے) رہیں، تاکہ وہ کوئی لمبی بات بیان کرنا نہ شروع کر دیں، جس کا عام طور پر سمجھنا دُشوار ہو اور (غلط فہمی میں) شور و شرّ پیدا ہو جائے۔ میں نے ان (مولانا سندھی) کو حدیث پڑھانے کو کہا ہے۔ کیوں کہ حدیث پڑھانے سے آدمی (کا ذہن دلائل کے حوالے سے) کھل جاتا ہے‘‘۔

(۷/رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/ 5/اگست 1946ء، مقام: رائے پور)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 123، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ’’ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور‘‘ اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک ٹیمپل روڈ برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0536

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت کا ایک اہم واقعہ

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾

(اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم کو: ذبح کرو ایک گائے۔ وہ بولے: کیا تُو ہم سے ہنسی کرتا ہے؟ کہا: پناہ خدا کی کہ ہُوں مَیں جاہلوں میں۔ بولے کہ: دعا کر ہمارے واسطے اپنے ربّ سے کہ بتا دے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے؟ کہا: وہ فرماتا ہے کہ: وہ گائے ہے، نہ بوڑھی اور نہ بِن بیاہی، درمیان میں ہے بڑھاپے اور جوانی کے۔ اب کرڈالو جو تم کو حکم ملا ہے۔) (2-البقرہ: 68-67)

گزشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کی اجتماعی زندگی کی ترقی کے لیے ہفتے کا دن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دینِ حق کی اجتماعیت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اس قانون کی پابندی سے اُن کی ترقی کا راستہ کھلتا تھا۔ انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ اس قانون شکنی کی سزا کے طور پر انھیں انسانیت سے نچلے درجے میں بندر بنا دیا گیا۔

ان آیاتِ مبارکہ (67 تا 73) میں گائے کے ذبح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعے کے ضمن میں بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت اور قومی ترقی کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے ذریعے سے ان کے دلوں میں تعلق مع اللہ، اس کے احکامات کی پابندی اور انسانی حقوق کی پاسداری کی حقیقت واضح کی جا رہی ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ: تمام انبیا علیہم السلام اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور قومی ترقی کے لیے دنیا میں مبعوث کیے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی قومی ترقی اور روحانی سربلندی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے سے اس قوم پر انعامات کی بڑی بارش کی۔ انھوں نے ہر اہم مرحلے پر اُن کی قومی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لیے کردار ادا کیا۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''ساس بنی اسرائیل سیاسةً حسنةً'' (تاویل الاحادیث) (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی سیاست بہت عمدہ طریقے سے کی)۔ سیاست کا بنیادی ہدف کسی قوم کی اجتماعی شیرازہ بندی کو مضبوط بنانا اور مجموعی طور پر انھیں ترقی دینا ہوتا ہے۔ ایسی شیرازہ بندی' قوانین کی پابندی کے بغیر نہیں ہوسکتی اور قوانین کا بنیادی مقصد مالی بدعنوانیوں اور جسمانی ظلم و ستم سے سوسائٹی کو پاک کرنا ہوتا ہے۔ انبیا علیہم السلام اسی کے ساتھ ساتھ اللہ سے سچے تعلق اور اُس کی تجلیات کے نظام کے ساتھ انسانیت کو مربوط بنانے کے لیے آتے ہیں۔ اس تناظر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی خرابیوں کو سمجھا۔ اُن میں سے ایک بڑی خرابی جو فرعون کے زیرِ اثر قبطیوں اور مصریوں کے ذریعے سے اُن میں دَر آئی تھی، وہ گائے اور بچھڑے کی پرستش کا عقیدہ تھا، جیسا کہ ہندوؤں میں گائے کی پوجا کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اس واقعے کے ذریعے سے ان میں گائے کی تقدیس کا جو تصور پایا جاتا تھا، اُس کا رد کرنا اور انھیں تجلی الٰہی کے ساتھ جوڑنا مقصود تھا۔ پھر مال کے لالچ میں ایک آدمی کو اُس کے چچازاد بھائیوں نے قتل کر دیا تھا۔ اس طرح انھوں نے اجتماعی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مال اور جان کی حرمت کی پامالی کی تھی۔ اس آیت میں اس پر تنبیہ ہے۔

قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا: صدیوں سے قبطیوں اور مصریوں کی صحبت میں رہنے کے نتیجے میں بنی اسرائیلیوں کو اپنے فرسودہ خیال کے مطابق ''مقدس گائے'' ذبح کرنے کا حکم بڑا عجیب لگا۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ گائے کی تقدیس کا عقیدہ ذہن میں رکھتے ہوئے اُسے ذبح بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ سمجھا کہ شاید وہ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ اور کہا کہ کیا آپ گائے کے ذبح کا حکم دے کر ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واضح کیا کہ اوّل تو میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ نبی کبھی ایسا کام نہیں کرتے، جو اللہ کے حکم کے بغیر ہو۔ دوسرے یہ کہ مذاق اور ٹھٹھا کرنا جاہلوں کا کام ہوتا ہے۔ جو لوگ علم اور دانش نہیں رکھتے، وہ فضول کاموں، ٹھٹھا اور مذاق میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں: ''ٹھٹھا کرنا احمق جاہل کا کام ہے اور وہ بھی احکامِ شرعیہ میں۔ پیغمبر سے یہ ہرگز ممکن نہیں''۔ اس پر انھیں تنبیہ ہوئی کہ یہ مذاق نہیں ہے، بلکہ واقعی اللہ کا حکم ہے کہ گائے ذبح کی جائے۔ اس سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ: ایک جاہل اور غلط تصورات کے اسیر افراد کا حال ایسا ہی ہوتا ہے کہ کوئی حکم سمجھ میں نہ آئے تو سوالات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند سوالات کیے۔ شاید کہ اس حکم سے جان چھوٹ جائے۔ اس لیے انھوں نے پہلا سوال کیا کہ ہمارے سامنے گائے کی حالت واضح کی جائے، یا ہمیں سمجھایا جائے، تاکہ قانون کی سمجھ اور فہم پیدا ہو جائے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ:

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے پہلا سوال کیا ''یعنی اس (گائے) کی عمر کتنی ہے؟ اس کے حالات کیا ہیں؟ نوعمر ہے یا بوڑھی؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ نہ بوڑھی ہو اور نہ ہی جوان۔ درمیانی عمر کی ہو۔ یعنی عمر اور حالت سے زیادہ اس چیز پر توجہ دو کہ اللہ کی طرف سے جو تمھیں حکم دیا گیا ہے، اس کو کر گزرو۔

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ: اس پہلے سوال کے جواب میں انھیں گائے کے ذبح کرنے کا دوبارہ تاکیدی حکم دیا گیا۔ اس جواب سے اُن کا ''حجابِ طبعی'' توڑا گیا کہ گائے کے ذبح کرنے کے حوالے سے اُن کی طبیعت پر جو پردے چڑھے ہوئے ہیں، وہ ختم ہوں، اور حکم دیا گیا کہ فرمانِ الٰہی کو دل و جان سے پورا کیا جائے۔

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

عبادات اور اَخلاقیات کا باہمی ربط

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟" قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لا دِرْهَمَ لَهُ، وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: "إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي، يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَ صِيَامٍ، وَ زَكَاةٍ، وَ يَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَ قَذَفَ هٰذَا، وَ أَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَ ضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطَى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَىٰ مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ، فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ". (المسلم، حدیث 2581)

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟'' صحابہؓ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے، جس کے پاس نہ درہم ہو، نہ کوئی ساز وسامان۔ آپؐ نے فرمایا: ''میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ (کی ادائیگی کا عمل) لے کر اس طرح آئے گا کہ (دنیا میں) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ تو اس کی نیکیوں میں سے اِس کو بھی دیا جائے گا اور اُس کو بھی دیا جائے گا۔ اور اس پر جو ذمہ ہے، اس کی ادائیگی سے پہلے اگر اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی، تو ان کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈالا جائے گا، پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔)

یہ حدیث عبادات اور اَخلاقیات کا باہمی ربط بیان کر رہی ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اُمت کا مفلس وہ کہلائے گا، جس نے نماز، روزہ اور زکوٰۃ تو ادا کیا ہوگا، لیکن لوگوں کے ساتھ اس کا میل برتاؤ ٹھیک نہیں تھا۔ گالی گلوچ کرتا، ان پہ تہمت لگاتا، ناجائز مال حاصل کرتا، خون بہاتا، قتل کرتا اور مار پیٹ کرتا تھا۔ ایسا شخص روزِ قیامت جب حساب کتاب کے لیے اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا، تو اس کے ظلم کے شکار لوگ اللہ کے رُوبرو شکایت کریں گے اور ہر ایک اپنے اوپر ہونے والا ظلم بیان کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے کہ اس کے ان جرائم کے بدلے میں اس کی نیکیاں ان ستم زدہ لوگوں کو دے دو، لیکن اس کی زیادتیوں کا بدلہ ابھی مکمل نہ ہوا ہوگا کہ اس کی ساری زندگی کی عبادات، معاملات کی خرابی کی نذر ہوجائیں گی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اَب شکایت کرنے والوں کے گناہ اس کے اوپر ڈال دو۔ تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور ان گناہوں کے بوجھ کے ساتھ اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ عبادات کا اہم مقصد اَخلاق کی درستی ہے۔ ہر عبادت کا اپنا ایک مقصد اور الگ الگ نتائج ہیں۔ یہ مقاصد اِنسانی مزاج، رویوں اور اس کے اَخلاق کی درستی کے حصول کے لیے ہیں۔ یوں عبادات انسان کے لیے ایک اچھا انسان بننے میں مددگار ہوتی ہیں۔ اس لیے مؤمن کو اس امر پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے کہ اس کے اخلاق کیسے ہیں؟ یوں اس کے رویوں سے ظاہر ہوجائے گا کہ عبادات کا اس پر کیا اَثر ہو رہا ہے۔

صحابہ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت حسان بن ثابت خزرجی نجاری انصاری رضی اللہ عنہ (1)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپؓ کی کنیت ''ابوالولید'' اور آپؓ کا لقب ''شاعر رسول اللہ'' تھا۔ آپؓ مدینہ میں قبیلہ بنوخزرج کے ایک گھر میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: حسان بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو۔ آپؓ کی والدہ کا نام فریعہ بنت خالد تھا، جو قبیلہ خزرج سے تھیں اور حضرت سعد بن عبادہؓ سردارِ خزرج کی چچازاد بہن تھیں۔

حضرت حسانؓ بڑھاپے میں ایمان لائے۔ ہجرت کے وقت آپؓ کی عمر 60 برس تھی۔ آپؓ کی آدھی زندگی دورِ جاہلیت کی اور باقی آدھی عہدِ اسلامی کی یادگار رہے۔ آپؓ کی دینی و عملی خدمات تاریخِ اسلام کا اہم باب ہیں۔ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت سن کر جو شعرا مسلمان ہوگئے، اس نے ان میں ایک نئی روح پھونک دی، حسان بن ثابتؓ بھی ان میں سب سے زیادہ حصہ لینے والے ہیں۔ آپؓ سے چند احادیث مروی ہیں، جو کتب احادیث میں موجود ہیں۔ آپؓ اگرچہ عمر رسیدہ ہونے کے باعث کسی غزوے میں شامل نہ ہوئے، مگر اپنی شعر و شاعری اور زبان کے تیکھے استعمال سے دشمن کے خلاف مثبت پروپیگنڈے کے ذریعے خیال و عمل کی قوتوں کو مہمیز دیتے رہے۔ آپؓ طویل عمر اور تجربے کی وجہ سے دُوررَس نگاہ کے حامل اور صاحبِ بصیرت شخص تھے، جس کی نشان دہی آپؓ کے کلام میں جابہ جا محسوس ہوتی ہے۔ آپؓ قریش کے اسلام دشمن شعرا کی ''ہجو'' کا مسکت جواب دیتے تھے۔ اس دور کا سوشل میڈیا' شعری کلام ہوا کرتا تھا۔ کسی کے خلاف یا حمایت کے لیے اشعار کہے جاتے اور بہت جلد وہ پھیل جاتے اور زبان زدِ عام ہوجاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر حضرت حسانؓ نے بڑے پُر درد مرثیے لکھے۔ شاعری کے لحاظ سے عہدِ جاہلیت اور دورِ اسلامی کے آپؓ بہترین شاعر تھے۔ کفار کی ہجو (بُرائی) اور مسلمانوں کی شان میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔ شاعری ان کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلی آتی تھی۔ باپ، دادا، بیٹے عبدالرحمٰن اور پوتے سعید بن عبدالرحمٰن سب شاعر تھے، بلکہ اصحابِ مُذھَّبات میں سے تھے، یعنی ایسے شاعر تھے کہ ان کی باتیں آبِ زر (سونے کے پانی) سے لکھی جائیں۔ شاعری آپؓ کی سیرت کا ایک مستقل عنوان ہے۔

عہدِ اسلام کی شاعری مبالغے سے خالی ہے۔ ظاہر ہے جو شعر مبالغے سے خالی ہو، وہ بالکل پھیکا، بے مزہ ہوگا۔ حضرت حسانؓ خود فرماتے ہیں کہ: ''اسلام جھوٹ سے منع کرتا ہے، اس وجہ سے میں نے اِفراط (بڑھا چڑھا کر بیان) کو جو جھوٹ کی ایک قسم ہے، بالکل چھوڑ دیا ہے۔ حضرت حسانؓ کی ہجو دفاعِ دین پر مشتمل اور گالی گلوچ سے خالی ہے۔ اہلِ حق کی دینِ حق کے غلبے کی جدوجہد، جہاد کو واضح کرنے کے لیے تھی۔ صاحب ''الروائع'' نے آپؓ کو شعرِ اسلامی کا بانی و مؤسس قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ ایک تاریخ داں شاعر ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں دین و سیاست کو جمع کیا ہے۔ (دیوانِ حسان، دکتور عمر فاروق الطباع)

شذرات

استحصالی نظام کی باسی کڑھی میں اُبال

آج کل پاکستان میں ہر طرف صدارتی نظام کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ اس پر ہر طرح کے میڈیا پر خوب لکھا اور بولا جا رہا ہے۔ گویا یہ آج کل کا ٹاپ ٹرینڈ بنا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں قومی اور اجتماعی مسائل پر آزادانہ رائے کے بجائے ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے سازی کی باقاعدہ ایک مہم چلائی جاتی ہے۔ پھر اس سے اپنی مرضی کے نتائج لیے جاتے ہیں، بلکہ آج کل تو سوشل میڈیا پر ''ہیش ٹیگ'' کو باقاعدہ سوشل میڈیائی جنگ کا ایک مضبوط ہتھیار تصور کیا جاتا ہے، جس سے لوگ میڈیا پر اس مسئلے کو تلاش کرتے ہیں، جس پر سب سے زیادہ بات چیت چل رہی اور بحث ومباحثے ہو رہے ہوتے ہیں۔ اسے سوشل میڈیا کی زبان میں ''ٹاپ ٹرینڈ'' کہا جاتا ہے۔

اس پر پھر کبھی سہی کہ آخر یہ کون سی قوتیں ہیں کہ کسی بھی وقت کسی مسئلے کو وہ ہاٹ ایشو بنا دیتی ہیں اور پھر دھڑا دھڑ ہر طرف سے اس پر لکھا اور بولا جانے لگتا ہے اور عوام کی رائے کو ایک خاص نکتے پر مرتکز کیا جانا شروع ہو جاتا ہے۔ آج ہمیں صرف اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ موجودہ نظام کی ناکامی سے توجہ کیوں ہٹائی جا رہی ہے اور ایک نئی بحث کس لیے شروع کر دی گئی ہے کہ پارلیمانی جمہوریت کے بجائے صدارتی نظام ہونا چاہیے اور آخر اس نظام کی ناکامی کو کیوں بے نقاب نہیں کیا جا رہا؟

خلطِ مبحث کے طور پر صدارتی طرزِ حکمرانی کے فضائل اور جمہوری طرزِ حکومت کے نقائص گنوانے والے اس سفاک اصل سرمایہ داری نظام کی ناکامی کو تسلیم کرنے سے کیوں ہچکچا رہے ہیں، جو اِن دونوں نظاموں کی قبا میں چھپا ہوا ہے اور پچھلے تقریباً سو سال سے دنیا بھر کے ملکوں میں ''جمہوری''، ''صدارتی'' اور ''بادشاہی'' ناٹک کے ساتھ بہت سے ملکوں میں انسانیت کی تباہی اور بربادی کی منظرکشی کر رہا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دراصل آج ہمارے ملک میں گزشتہ چوہتر برسوں سے مسلط سرمایہ دارانہ نظام کی یہ ناکامی ہے اور اس نظام کی ناکامی کسی ایک حکمران جماعت یا کسی اعلیٰ عہدے پر براجمان کسی ایک فرد کی ناکامی نہیں، بلکہ ملک میں موجود ساری سیاسی و مذہبی جماعتوں کی ناکامی ہے۔ کیوں کہ یہ ساری جماعتیں اسی نظام کی نمائندہ اور محافظ رہی ہیں۔ انھیں اپنی اس ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔ کیوں کہ ان سب نے باری باری اقتدار کے مزے لوٹے ہیں۔ ان سب کا وطیرہ یہ رہا ہے کہ یہ نظام کی حقیقت اور اس کے ظلم و استحصال کو چھوڑ کر صرف افراد کو ذمہ دار ٹھہراتی ہیں اور افراد ہی سے توقعات لگانا سکھاتی ہیں۔ گزشتہ چوہتر سالوں سے ان کی یہی رَوِش رہی اور ہمارے ہاں یوں ہی کاروبارِ سیاست جاری وساری رہا ہے۔

ان طرزِ حکمرانیوں کی یہ بحث کوئی نئی نہیں۔ یہ تو زمانوں سے زیرِ بحث رہی ہیں۔ طرزِ حکمرانی کا علم اور اس حوالے سے آرا تاریخ کا حصہ ہیں اور ماضی کا لٹریچر ان سے بھرا پڑا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ پون صدی سے مسلط نظام کے قوم پر اثرات ونتائج کیا ہیں؟ اور جب وہ ہمارے مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہا ہے تو آج تک ان جماعتوں نے اس سے قوم کی جان کیوں نہیں چھڑائی۔ لہٰذا ایسے موقع پر استحصالی اقتدار کی غلام گردشوں میں بیٹھ کر صدارتی اور جمہوری نظام کی بحثیں، استحصالی نظام کی باسی کڑی میں اُبال کے سوا کچھ نہیں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی جماعتوں کی سیاست ایک کاروبار کی شکل اختیار کر چکی ہے اور یہ صرف لوٹنے کے لیے ملک پر مسلط ہیں۔ گویا باڑ ہی کھیت کو کھا رہی ہے۔ آپ جائزہ لیجیے اگر ایک خاندان کے بعض افراد سیاست اور حکومت میں موجود رہے ہیں تو وہ اپنے خاندان کے ان افراد سے کہیں زیادہ امیر اور خوش حال ہیں جو سیاست میں نہیں یا انھیں حکومت میں آنے کا موقع نہیں ملا۔ یہاں کی سیاسی جماعتیں کلی طور پر موروثی ہیں۔ جماعتوں کو چلانے والے جماعتوں کے رہنما کم اور مالک زیادہ ہیں۔ وہ جماعتوں کو ایسے چلاتے ہیں، جیسے کمپنیوں کے مالکان اپنی کمپنیوں کو کاروباری اصولوں پر چلایا کرتے ہیں۔

یہ وقت دو طبقوں کے لیے بہت اہم ہے؛ پہلا: روایتی سیاسی نظام کو قبول کر کے اس کے اندر رہتے ہوئے جدوجہد کرنے والا طبقہ کہ وہ اب سوچے اور اسے اب اس مخمصے سے باہر نکلنا ہوگا کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے قوم کی کایا کلپ ہو سکتی ہے، بلکہ یہ ایک ناممکن امر ہے۔ اب اسے نظام کی تبدیلی کے نظریے کی dynamics پر سوچنا چاہیے، اور نظام کی تبدیلی کے نظریے پر کام کرنے والی قوتوں کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

دوسرا طبقہ جو شروع دن ہی سے اس نئے بننے والے ملک کے لیے ایک نئے نظام کی ضرورت کو محسوس کر رہا تھا، اس نے اوّل دن سے اس نظام کے چہرے سے نقاب الٹی اور اس کی تبدیلی کا نظریہ دیا۔ ہر طرح کے نامساعد حالات میں وہ اپنے سفر کے راہی رہے۔ راستوں کے سنگ وخاران سے اُلجھتے رہے، لیکن وہ طرح دے کر اپنے سفر پر گامزن رہے۔ آج جہاں حالات نے ان کے مؤقف پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور وقت نے تبدیلیٔ نظام کے نظریے کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر منوالیا ہے۔

آج اس قافلے کے نوجوانوں سے قوم کو اُمیدیں بندھ رہی ہیں۔ لہٰذا اب انھیں تبدیلیٔ نظام کی جدوجہد کو تیز کرنا ہوگا اور اپنی جدوجہد کو تبدیلی اور انقلابات کے جدید معیارات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ اس قافلے کے جواں ہمت افراد کی مستقل مزاجی روایتی جماعتوں سے مایوس ہوتے ہوئے نوجوانوں کو اپنے نظم میں جذب کرنے کا سبب بنے گی۔ یوں یہ انقلابی قوت ایک ایسی تحریک کا روپ دھارے گی، جو قوم کی امیدوں کا مرکز بن جائے گی اور شعور وعمل کا صور پھونکنے کا سبب بنے گی۔

آج ملک میں موجود مسلط نظام پر کسی بھی چلمن ساز کی پردہ داری کو شعور کی آنکھ سے دیکھتے رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ سفاک نظام کو اسلام اور جمہوریت کے پُرانے سابقے کے بعد کسی اَور لبادے میں ملفوف کر کے نئے سابقے اور لاحقے کے ساتھ قوم کو کسی نئی خوش فہمی میں مبتلا نہ کیا جا سکے۔ (مدیر)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

چاروں اَخلاق کے حصول کے لیے مسنون ذکر واَذکار

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

''جب تم نے (ان چاروں اَخلاق؛ طہارت، اِخبات، سماحت اور عدالت کے) اصول جان لیے، اب ہم ان اَخلاق کی بنیاد پر بعض تفصیلات کو بیان کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

(1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی جماعت' ذکر اللہ کرنے کے لیے نہیں بیٹھتی، مگر یہ کہ انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور انھیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے''۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ، حدیث: 2261) میں کہتا ہوں کہ: اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے والے مسلمانوں کا اجتماع بے شک اللہ کی رحمت اور اُس کی سکینت کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور یہ کہ انھیں فرشتوں کے قریب کر دیتا ہے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مُفرِّدون'' (بوجھ کے بغیر دوڑنے والے لوگ) سب سے آگے بڑھ گئے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! ''مُفرِّدون'' کون ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں''۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ، حدیث: 2262)۔

میں کہتا ہوں کہ: ذکر کرنے والے لوگوں کو ''مُفرِّدون'' کا نام دیا گیا۔ اس لیے کہ ذکر اللہ سے اُن کے جسم پر حیوانیت کے تقاضوں اور گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے (ان کے لیے بوجھ سے ہلکا پھلکا ہو کر دوڑنا اور چلنا آسان ہو جاتا ہے)۔

(3) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: ''میرا بندہ میرے بارے میں جو ظن اور گمان رکھتا ہے، میں اُس کے مطابق اُس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پس اگر وہ اکیلے میں مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور جب وہ مجھے کسی جماعت اور مجلس میں شامل ہو کر یاد کرتا ہے تو میں اُس کی مجلس سے زیادہ بہتر (فرشتوں کی) مجلس میں اُس کا تذکرہ کرتا ہوں''۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، حدیث: 2264)

میں کہتا ہوں کہ: انسان کی وہ جبلت اور فطرت، جس سے اُس کے اَخلاق اور علوم پیدا ہوتے ہیں اور وہ کیفیات اور حالتیں جنھیں انسانی نفس حاصل کرتا ہے، اللہ کی خاص رحمتوں کو نازل کرنے میں مخصوص کردار ادا کرتی ہیں:

(i) پس ایسا باوقار آدمی جو ''سمیحُ الخُلق''، یعنی سماحت کا خُلق رکھتا ہے اور اس میں لوگوں کی چھوٹی اور حقیر غلطیوں کو پکڑنے کی عادت نہیں ہوتی۔ وہ جب اپنے ربّ کے بارے میں یہ گمان اور یقین رکھتا ہے کہ وہ اُس کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور میری ہر چھوٹی اور انتہائی حقیر چیز کو نہیں پکڑے گا تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ اُس کے ساتھ بھی ایسا ہی عزت اور وقار کا ہوتا ہے۔ ''سماحت'' پر مبنی اس کی یہی باوقار اُمید اُس کے گناہوں کو ختم کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

(ii) ایسا آدمی جو ''شَحِیحُ الخُلق''، یعنی بخل پر مبنی تنگ نظری کا خُلق رکھتا ہے، وہ اپنے ربّ کے بارے میں تنگ نظری پر مبنی یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی ہر چھوٹی اور انتہائی حقیر چیز کو ضرور پکڑ لے گا۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کے ساتھ انتہا پسندوں کی طرح کا معاملہ کرتا ہے۔ وہ اُس کے صغیرہ گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔ ایسے آدمی کا دنیاوی معاملات کی نسبت آخرت سے متعلق اللہ کے بارے میں یہ زیادہ سخت تصور اُس کی موت کے بعد اُس کا گھیراؤ کر لیتا ہے اور اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

حدیث میں ان دونوں افراد سے متعلق جو فرق بیان کیا گیا ہے، یہ اُن چھوٹے اُمور اور صغیرہ گناہوں کے بارے میں ہے کہ جن کے بارے میں ''حظیرۃ القدس'' میں مقرر کردہ شریعت نے کوئی واضح حکم نہیں دیا۔ جہاں تک کبیرہ گناہوں اور اُسی طرح کے بڑے جرائم سے متعلق شرعی احکامات ہیں، وہاں اس فرق پر مبنی معاملہ نہیں ہوتا، بلکہ شریعت کے واضح احکامات کی خلاف ورزی پر سزا کا مستحق ہوگا۔ صرف اجمالی طور پر یہ ہوسکتا ہے کہ اچھے کاموں پر کسی فرد کو مقررہ نیکیوں سے زیادہ اچھا بدلہ مل جاتا ہے۔ یا کسی کی کچھ اچھائیوں کی وجہ سے اُس کے کسی گناہ کے عذاب میں تخفیف اور کمی ہوسکتی ہے۔

اس حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ کہنا کہ ''أنا معهٗ'' (میں اُس ذکر کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہوں)، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذکر کو قبول کر لیا۔ اس میں اُس کو عزت کے ساتھ حظیرۃ القدس میں داخل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

پھر جب کوئی انسان اللہ کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے اور اُس کی نعمتوں میں غور وفکر کرتا ہے تو اُس کا انعام اور بدلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے میں حائل اُس کے تمام پردے اور حجابات اُٹھا دیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ انسان سلوک طے کرتے ہوئے اُس ''تجلیٔ اِلٰہی'' کے قریب پہنچ جاتا ہے، جو ''حظیرۃ القدس'' میں قائم ہے۔

اگر کوئی انسان کسی مجلس میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، اس کا اہم مقصد ہو کہ وہ اللہ کے دین کی اشاعت کر رہا ہے اور اس کے دین کو غالب کرنا ہے، تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی محبت ''ملاءِ اعلیٰ'' (فرشتوں کی مقدس جماعت) کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ جو کہ ہر وقت ایسے لوگوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور اُن پر برکات نازل کرتے ہیں اور پھر اُن کے لیے زمین میں لوگوں میں مقبولیت نازل کی جاتی ہے۔

کتنے ہی ''عارِف باللّٰه'' (اللہ کی معرفت حاصل کرنے والے) ایسے لوگ گزرے ہیں، جو معرفتِ الٰہی کے مقام کو حاصل کر لیتے ہیں، لیکن انھیں دنیا میں زمین میں مقبولیت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی اُن کا ملاءِ اعلیٰ میں تذکرہ ہوتا ہے۔

اور کتنے ہی اللہ کے دین کی مدد کرنے والے اور اس کے غلبے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنے والے لوگ گزرے ہیں، جن کو دنیا میں بڑی عظیم مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے اور اُن پر بڑی برکات نازل ہوئی ہیں، لیکن معرفتِ الٰہی کے حوالے سے اُن کے حجابات اور پردے دور نہیں ہوئے''۔

(باب الاذکارِ و ما یتعلّق بها)

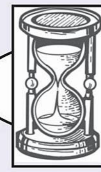

تاریخِ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

دنیا کا سب سے پہلا ہوائی جہاز بنانے والا مسلم سائنس دان

ابوالقاسم عباس بن فرناس

قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے علوم وفنون کو وہ ترقی دی کہ تقریباً آج کی دنیا کی جتنی بھی ایجادات ہیں، ان کی ایجاد کا سہرا مسلمان سائنس دانوں کے سر سجتا ہے۔ جب کہ یورپ کے مؤرخین نے عربوں کی ہر ایجاد کا سہرا اس یورپی سائنس دان کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے، جس نے پہلے پہل اس کا ذکر کیا، بلکہ یہاں تک گھپلا بازی کی کہ عربوں کی بعض تصانیف پر اپنا نام لکھ کر چھپوا دیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف برطانیکا میں لفظ جیبر (جابر) کے تحت ایک ایسے مترجم کا نام ہے، جس نے مشہور کیمیا دان جابر بن حیان کے ایک لاطینی ترجمے کو اپنی تصنیف بنا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک اسلامی تہذیب وتمدن دنیا کا سب سے روشن اور ترقی یافتہ تمدن تھا۔ خصوصاً اندلس پانچ سو سال تک یورپ کا علمی وثقافتی اور سیاسی مرکز رہا ہے، بلکہ سرزمین اندلس کے علما و دانش وروں کے فکری، علمی اور سائنسی کارناموں سے یورپ کے دیگر ممالک سے جہالت چھٹی۔ مسلمانوں کی تاریخ کے روشن دور، دورِ بنی اُمیہ کے علما کی ایک جامع ترین خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ ہمہ جہت ہوتے۔ یعنی وہ فلسفی بھی ہیں اور ریاضی دان بھی۔ وہ حکیم بھی ہیں اور ادیب بھی۔ وہ ماہرِ فلکیات بھی ہیں اور کیمیا دان بھی۔ غرض یہ کہ وہ تمام علوم وفنون کے ماہر ہوتے تھے۔

اِنھیں ہمہ جہت نامور سائنس دانوں میں سے ایک بہت بڑا نام عباس بن فرناس کا بھی ہے، جو تاریخ میں سب سے پہلے ''طیارچی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ 810ء میں جنوبی اندلس کے ایک شہر ''رندہ'' میں پیدا ہوئے۔ بعد میں قرطبہ میں رہائش اختیار کرلی۔ آپ بَربَر نژاد تھے اور 887ء میں 77 سال کی عمر میں وفات پائی۔ تاریخ میں وہ پہلے انسان تھے، جس نے فضا میں اُڑنے کی کوشش کی۔ وہ پرندوں کو فضا میں محوِ پرواز دیکھتے تو گھنٹوں سوچتے کہ کیا انسان بھی اس طرح سے فضا میں اُڑ سکتا ہے؟ چناں چہ انھوں نے پرندوں کی پرواز کا بہ غور مطالعہ کیا اور ایک دن اعلان کیا کہ انسان بھی پرندوں کی طرح فضا میں اُڑ سکتا ہے اور پھر خود اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا، جس کے لیے انھوں نے پروں کا لباس بنایا اور کچھ دور تک ہوا میں اڑے بھی اور کسی حد تک یہ تجربہ کامیاب رہا۔ ان کی ایجادات بے شمار ہیں، لیکن خصوصی طور پر تین چیزیں نہایت مشہور ہوئیں اور دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ عینک کا شیشہ، وقت بتانے والی گھڑی اور ایک مشین جو ہوا میں اُڑ سکتی تھی۔ عباس بن فرناس کو علم ہیئت وفلکیات میں بھی بہت زیادہ مہارت تھی۔ انھوں نے اپنے گھر میں ایک ایسی رصد گاہ بنائی اور آلاتِ رصد تیار کیے اور ایک ایسا پلانیٹیریم (Planetarium) بنایا، جس میں بیٹھ کر ستاروں، بادلوں کی حرکت اور ان کے گرد پیدا ہونے والی چمک کا مشاہدہ کرتے اور ان سے نتائج اخذ کرتے۔ ان کی ایجادات میں پانی کی گھڑی اور کرسٹل بنانے کا فارمولا بھی مشہور ہے۔

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

ڈالر سے محبت ہی بہت ہے؟!

پاکستان پر اندرونی و بیرونی قرضوں کا حجم 410 کھرب روپے کے لگ بھگ ہو چکا ہے۔ ایک سال کے دوران اس میں اوسطاً 30 کھرب روپوں کا اضافہ ہو ہی جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہمارے اخراجات میں مستقل اضافہ ہے۔ مالی سال 22-2021ء کے نصفِ اوّل میں آمدن و اِخراجات کا یہ خسارہ بڑھ کر 1800 ارب روپے تک جا پہنچا ہے۔ حال آں کہ اسی مدت کے دوران ٹیکس وصولی نے گزشتہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے اور 32.5 فی صد کے اضافے سے 29 کھرب کی وصولی ریکارڈ کی گئی، لیکن پھر بھی خسارہ ریکارڈ کیا گیا۔ اس خسارے کی بڑی وجہ اندرونی اور بیرونی قرضوں کی اَقساط اور ان پر سود کی ادائیگی، عالمی منڈی میں بڑھتی ہوئی تیل کی قیمتیں، خوردنی اشیا کی درآمدات میں اضافہ اور کرونا ویکسین پر 1.4 ارب ڈالر کی ادائیگیاں ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہماری مقتدرہ بھی یہ جانتی ہے کہ ڈالر ہی میں قوت ہے، اس لیے ایسا قدم اُٹھانے سے یہ گریزاں رہتی ہے، جس میں ڈالر کی ریل پیل نسبتاً کم ہو۔

چناں چہ بیرونی قرض لینے سے ہم کبھی نہیں چوکتے۔ پاکستان میں ڈالر چار طریقوں سے آتے ہیں: ایک: برآمدات سے، دوسرا: بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں سے، تیسرا: سرمایہ کاری سے، چوتھا: قرض کی صورت میں۔ ہمیں سالانہ بنیادوں پر تین طریقوں سے ڈالر ادا کرنے ہوتے ہیں: ایک: قرض اور اس پر سود کی صورت میں، دوسرا: درآمدات کی ادائیگیوں کی مد میں، تیسرا: سرمایہ کاری پر اصل زر اور منافع کی صورت میں۔ ہوتا یوں ہے کہ مندرجہ بالا مَدّات میں ڈالر کی آمدن ہمیشہ ادائیگیوں سے کم ہی رہتی ہے اور اس خلیج کو پاٹنے کے لیے بیرونی دنیا سے ڈالر میں قرض لیا جاتا ہے، لیکن یہ ڈالر لے کر کسے ادا کیے جاتے ہیں؟ واپس بیرونی سرمایہ کار کو، کسی عالمی مالیاتی ادارے کو یا طاقت ور درآمد کنندہ کو جو اپنی عیاشی کے لیے موبائل فون گاڑی اور تعیش کا سامان خریدنا چاہتا ہے۔ یہ طاقت ور لوگ کون ہیں؟ یہ ہمارے حکمران اور سول اور فوجی بیوروکریٹ ہیں۔ ان لوگوں کے لیے پوری قوم سالانہ بنیاد پر لگ بھگ 30 سے 40 کھرب کی مقروض ہو جاتی ہے۔

درآمدات کے اعداد وشمار کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مالی سال 22-2021ء کے نصفِ اوّل کے دوران گاڑیوں پر 1.9 ارب ڈالر، موبائل فونز پر ایک ارب ڈالر، گندم، چینی، دالوں اور چائے پر مجموعی طور پر ایک ارب ڈالر، اور خوردنی تیل پر 1.6 ارب ڈالر خرچ کیے گئے ہیں۔ یہ برآمدات پانچ سے چھ ارب ڈالر کی بنتی ہیں۔ ان پر قابو پا لیا جائے اور انھیں پاکستان میں ہی تیار کر لیا جائے تو نہ صرف قیمتی زرِ مبادلہ بچے گا، بلکہ ہماری برآمدات میں اضافے کی وجہ بھی بنے گا۔ مذکورہ شعبوں کو پاکستان میں بہ آسانی فروغ دیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ان سے متعلق مقامی طلب بھی ہے اور پیداوار کا بنیادی ڈھانچہ بھی، لیکن حکومت کا حالیہ اعلان کہ پاکستان کی معیشت اب 295 ارب ڈالر سے بڑھ کر 345 ارب ڈالر تک جا پہنچی ہے، مزید قرض لینے کی راہ ہموار کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ گویا ہماری مقتدرہ کا موڈ قرضوں پر زندہ رہنے کا ہے۔ کیوں کہ ڈالر سے محبت ہی اصل ایمان ہے؟!

OIC کا کھوکھلا پن!

معاہدات قوموں کی زندگی میں بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ معاہدے کے مقاصد کا واضح ہونا اَساسی تقاضوں میں شمار ہوتا ہے۔ فریقین کا کردار مرکزی نوعیت کا ہوتا ہے، جن کا آزاد اور خودمختار ہونا اوّلین شرط ہے۔ فریقین کا ہم پلہ ہونا معاہدے کو مؤثر بناتا ہے۔ انسانی تاریخ میں دو طرح کی جماعتوں کا کردار رقم ہے؛ معاہدے پر اس کی روح کے مطابق عملی شکل دینے والی جماعت اور محض التوائے وقت کی حامل گروہیت یا جتھہ۔ اگر ایک فریق کمزور اور دوسرا طاقت ور ہے تو معاہدہ برقرار رہنے کے امکانات مخدوش ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ معاہدے کی اصل روح عمل درآمد سے نمایاں ہوتی ہے۔

57 اسلامی ممالک نے مراکو کے شہر رباط میں شاہ حسن دوئم کے ذریعے 25 ستمبر 1969ء کو OIC تنظیم اسلامی کانفرنس (Organization of Islamic Conferenece) کے نام سے ایک فورم قائم کیا۔ 28 جون 2011ء کو وزرائے خارجہ کے 38 ویں اجلاس منعقدہ قزاقستان کے شہر آستانہ میں اسے اسلامی تعاون تنظیم (Organization of Islamic Co-operation) سے بدل دیا گیا۔ ''کانفرنس'' کے نام کو ''تعاون'' کے ساتھ تو بدل دیا، لیکن C تو C ہی رہا۔ اس کے باوجود رُکن ممالک کے مابین تعاون کی روح پیدا ہو سکی اور نہ ہی اسے فروغ مل سکا۔ 1974ء میں پاکستان کے شہر لاہور میں 22 تا 24 فروری کو تنظیم کا ایک غیر معمولی سربراہ اجلاس منعقد ہوا، جسے ''لاہور سمٹ'' کا نام دیا گیا۔ اس کی ایک اہمیت یہ بھی تھی کہ اس میں مسلم ممالک کے اکثر بادشاہ اور سربراہانِ مملکت شریک ہوئے تھے۔ انھوں نے مل کر پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو کانفرنس کا منتخب چیئرمین بنا دیا۔ ساتھ ہی 1971ء میں نئے وجود پانے والے اسلامی ملک بنگلا دیش کو بھی تسلیم کروانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ کانفرنس میں بنگلا دیش کے وزیراعظم شیخ مجیب الرحمٰن نے بھی شرکت کی تھی۔ یہ اہم اجلاس لاہور شہر کے اہم مرکز قذافی سٹیڈیم میں منعقد ہوا تھا، جس میں لیبیا کے سربراہ معمر قذافی کی یادگار تقریر نے ''لاہور سٹیڈیم'' کو ''قذافی سٹیڈیم'' بنا دیا۔ شاہ فیصل کی تاریخی آمد اور پاکستان کے لیے ''فیصل مسجد'' کے شان دار تحفے نے اسے خطے میں یادگار حیثیت دے دی۔ یہ حضرات مستقبل میں مسلم اُمہ کے لیڈر بننے جا رہے تھے۔

او آئی سی کے قیام کا بنیادی مقصد روزِ اوّل سے ہی استعماری عزائم کے مفادات کا تحفظ رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے ارکان ہمیشہ بے بس اور بے وقعت رہے ہیں۔ کبھی بھی رُکن ممالک کے مفادات محفوظ نہیں رہے۔ اگر کبھی کسی رُکن ملک کے سربراہ نے جذبۂ حریت کے تحت بسالت و بطالت کا قدم اُٹھانے کی دوڑ دھوپ و جد و جہد کی ہے تو اسے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑا ہے۔

1973ء میں پھر عرب اسرائیل جنگ شروع ہوگئی، جسے ''جنگِ کپور'' کہا جاتا ہے۔ یہ جنگ 6 تا 26 اکتوبر یعنی 21 روز تک جاری رہی (یہودی مذہب میں اسے مقدس ایام کی جنگ کہا جاتا ہے)۔ اس جنگ میں امریکا نے اسرائیل کی مادی اور غیر مادی دونوں طرح سے حمایت کی تھی۔ جس کے ردِ عمل میں تیل پیدا کرنے والے ممالک نے امریکا پر ''تیل کی ترسیل پر پابندیاں'' (Arab Oil Embargo 1973-74) عائد کر دیں۔ چناں چہ امریکی صدر رچرڈ نکسن 14 تا 15 جون 1974 کو دو روزہ دورے پر سعودی عرب پہنچا، جس کا مقصد شاہ فیصل سے ملاقات کر کے پابندیاں اُٹھوانے کے لیے دباؤ ڈالنا تھا۔ ایک غلام کی اتنی جرأت کے وہ آقا کے خلاف پابندیوں جیسا اقدام کرے اور آئندہ کوئی اور غلام ایسی حماقت کرے۔ تنبیہ کرنے کے لیے 25 مارچ 1975ء کو بالآخر اسے شہید کر دیا گیا۔ معمر قذافی نے بعد میں بھٹو کو اس کے جوہری پروگرام میں تعاون فراہم کیا تھا۔ لہٰذا وہ بھی مستوجبِ سزا ٹھہرا۔ چناں چہ 20 اکتوبر 2011ء کو اسے بھی شہید کر دیا گیا۔ جذبۂ حریت سے سرشار افراد کا ایسی خواہش پالنا استعمار کے نزدیک ایک ناقابلِ معافی جرم ٹھہرایا گیا۔ اسی طرح کی زندگی پاکستان کے سابق وزیرِاعظم ذوالفقار علی بھٹو کے لیے منتخب کی گئی۔ تعاونی تنظیم کی طاقت وقوت و ایمان کا اندازہ لگائیں کہ جب 1979ء میں پاکستان کے صدر ضیاالحق کے دور میں پاکستانی عدالتوں نے بھٹو کو موت کی سزا سنائی۔ اس وقت بھی وہ OIC کا چیئرمین تھا، لیکن کوئی بھی رُکن ملک اپنے سابق چیئرمین کی سزا میں تخفیف کروانے کی طاقت و اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ حال آں کہ تمام ارکان یا تو بادشاہ تھے، یا اپنی اپنی حکومتوں کے سربراہ۔

حالیہ دنوں میں OIC کے وزرائے خارجہ کونسل کا 47 واں خصوصی اجلاس 19 دسمبر 2021ء کو پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں منعقد ہوا، جس کا مقصد ''افغانستان کے لیے امداد'' کا حصول تھا۔ ارکان کے سامنے افغانستان میں انسانی المیے کا جائزہ پیش کیا گیا، تاکہ اس کے لیے کسی بھی قسم کی امداد حاصل کی جا سکے۔ ارکان کے علاوہ 4 مبصرین (اقوامِ متحدہ کا نمائندہ، عالمی مالیاتی ادارے، علاقائی اتحاد اور یورپی یونین وغیرہ) بھی شریک ہوئے۔ یہ فورم اپنے رُکن ملک کے لیے خیر کا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ کیوں کہ نیکی اور بھلائی کرنا اس فورم کی سرشت میں ہی شامل نہیں ہے۔

آج پاکستان کی مقتدرہ نے مسلم اُمہ کے سامنے افغانستان کا المیہ پیش کیا ہے۔ جس دکھ، درد اور کرب و بلا کا اظہار کیا وہ قابل ستائش ہے۔ حال آں کہ جب استعمار اس ملکِ افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ''تورا بورا'' بنا رہا تھا تو یہی دنیا چپ سادھ کر بے حسی سے بُت بنی ہوئی تماشہ دیکھتی رہی۔ کوئی بھی ملک طاغوت کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ آج جب افغانستان کی تعمیرِ نو کا قضیہ درپیش ہے تو پاکستان نے ہمت کر کے مسلم اُمہ کا ضمیر، جو گہری نیند سویا ہوا تھا، جھنجوڑنے کی کوشش کی ہے۔ یقیناً یہ ایک جرأت مندانہ اور دلیرانہ قدم ہے، جسے بہت بڑا نام دیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے پیچھے پاک مقتدرہ کے اپنے مفادات بھی پنہاں ہیں۔

بقیہ: صفحہ 11 پر

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

اسلام کی تمام تعلیمات کا بنیادی مقصد

14/ جنوری 2022ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! دینِ اسلام کی تمام تعلیمات کا بنیادی مقصد انسانیت کو اللہ کے ساتھ جوڑنا اور اُن میں ایسی اجتماعیت پیدا کرنا ہے، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے، خدا پرستی پیدا کرنے اور انسان دوستی کے لیے کردار ادا کرے۔ دینِ حق کے غلبے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرے۔ اس لیے دینِ اسلام کی تمام تعلیمات میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ جو کام بھی دین میں زیادہ فرض اور لازمی ہیں، وہ تمام کام اجتماعی طور پر سرانجام پانے چاہئیں، تاکہ اُن کی اجتماعی طور پر ادائیگی انسانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں قائم ہو جائے۔ دنیا میں اجتماعیت کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ ہر انسان اپنی زندگی کے ابتدائی مرحلے سے لے کر موت تک اجتماع کا محتاج ہے۔ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو پیدائش کے وقت بھی کسی دائی اور نرس کی ضرورت ہوتی ہے، ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے تو پرورش کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ ایک اجتماعی عمل ہے۔ اور جب دفنایا جاتا ہے تو تب بھی ایک اجتماع اُسے اٹھا کر قبر میں اُتارتا ہے۔ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھتا ہے۔ گویا اوّل سے آخر تک انسان اجتماع کا محتاج ہے۔ اس لیے اجتماعیت اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ اکیلا انسان دنیا میں کچھ نہیں کرسکتا۔ کھانا پینا ہو، لباس تیار کرنا ہو، رہنا سہنا ہو، مکان بنانا ہو، ان تمام کے لیے اجتماعی عمل ہی ایک انسان کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے۔

اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے لے کر آدمیت کے اختتام تک کے ہر مرحلے میں اجتماع منعقد کیا۔ انسان پیدا کرتے وقت بھی فرشتوں کا اجتماع کیا تھا اور دنیا کے اختتام پر قیامت کا اجتماع بھی ہوگا۔ ان تمام اجتماعات کی جمعہ کے دن سے نسبت ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ سیّد الایام (تمام دنوں کا سردار) ہے کہ اسی جمعہ کے دن میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ پھر اسی دن انھیں جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی جمعہ کے دن میں ہی جنت سے دنیا میں خلافت اور حکمرانی کے لیے روانہ کیا گیا۔ اسی جمعہ کے دن میں ہی صور پھونک کر پوری کی پوری انسانیت کو اس کرۂ ارض سے سمیٹ لیا جائے گا۔ اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، حدیث:1356) انسان کے لیے اہم ترین چار مواقع ہیں: اس کی پیدائش کے، اس کے جنت میں داخل ہونے کے، جنت سے نکل کر اس دنیا میں خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے، اور اس کرۂ ارض سے واپس اپنے وطنِ اصلی کی طرف جانے کے، جسے یوم القیامہ کہا گیا ہے، یعنی قیامت کا دن۔ دینی تعلیمات اور ارشاداتِ نبوی کے مطابق یہ تمام مراحل جمعہ کے دن سرانجام پائیں گے''۔

اجتماعِ جمعۃ المبارک اور اشاعتِ دین کے اُمور

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن، تو دوڑو اللہ کی یاد کو''۔ (62-الجمعہ:9) یعنی جمعہ کے دن جب اذان دے دی جائے تو تمھاری ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر پہنچو۔ دوڑنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہانپتے کانپتے ہوئے، چھلانگیں مارتے ہوئے پہنچو، بلکہ کوشش اور سعی شروع کردو، تیاری شروع کردو۔ سعی کا لفظ عربی میں اس لیے بھی بولا جاتا ہے کہ اُس کے لیے کوتاہی مت کرو، مکمل تیار ہو کر مسجد میں اللہ کے ذکر کے لیے پہنچو۔ عرب لوگ تاجر تھے۔ ان کے ہاں سب سے زیادہ دلچسپی کی چیز کاروبار اور لین دین تھا۔ تو فرمایا: ''اور چھوڑ دو خرید و فروخت''۔ یعنی خرید و فروخت اور لین دین بند کردو اور اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

یہ آیت ایک خاص تناظر میں نازل ہوئی ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اُس زمانے میں نمازِ جمعہ کے بعد خطبہ دیا جاتا تھا۔ کافی دنوں سے مدینہ میں کوئی غلہ وغیرہ باہر سے نہیں آیا تھا۔ لوگ کھانے پینے کی اشیا کے سلسلے میں حاجت مند تھے۔ جیسے ہی آپؐ نے خطبہ دینا شروع کیا تو اتنے میں کسی نے آ کر خبر دے دی کہ تاجروں کا قافلہ غلہ لے کر آ گیا ہے۔ جیسے ہی لوگوں نے یہ سنا تو سوائے بارہ حضرات جن میں حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے، کوئی باقی نہ رہا۔ سب خطبہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم سب چلے جاتے، کوئی باقی نہ رہتا تو یہ پوری وادی تم پر آگ سے بھر جاتی''۔ (تفسیر ابن کثیر) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں حکم دیا کہ جیسے ہی اذان ہو جائے تو دراصل تمھیں اب اللہ کے ذکر کی طرف جسمانی اور ذہنی طور پر مکمل متوجہ ہونا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے۔ تمھیں پتہ ہوتا کہ نبی اکرمؐ کی مجلس میں اور اس اجتماعیت میں بیٹھ کر ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہونا کتنا اونچا کام ہے تو تم جمعہ میں حضورؐ کا خطبہ چھوڑ کر نہ جاتے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خاص طور پر جمعہ کے دن میں انسانی اجتماع میں دین کی اشاعت کا ہدف ہے، تاکہ نبی اکرمؐ کی بعثت کے مقصد ''**لیظھرہ علی الدین کلہ**'' کو پورا کیا جائے۔ جمعہ کے چند بنیادی مقاصد ہیں: ایک تو یہ کہ اس اجتماع میں ہر طرح کے لوگ علم والے اور غیر علم والے موجود ہوں، تاکہ جمعہ کے اجتماع میں لوگ اہلِ علم سے سیکھیں کہ کون کون سے دینی کام کرنا لازمی اور ضروری ہیں۔ مثلاً نماز کیسے پڑھی جائے گی؟ ذکر کیسے کیا جائے گا؟ عبادات کیسے کی جائیں گی؟ اور دین کے فرائض اور واجبات کیا ہیں؟ اس کی بنیادی تعلیمات کیا ہیں؟ نیز اس اجتماع کی طاقت سے دشمن پر رعب پیدا کرنا بھی مقصد ہے، تاکہ انسانیت دشمن طاقتوں پر دین کے سیاسی غلبے اور اجتماعی طاقت کا اظہار ہو، جو کہ اجتماع کے بغیر نہیں ہوتا''۔

اجتماعِ جمعۃ المبارک کی وجہ جواز

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

جمعہ کی اہمیت پر بے شمار احادیث میں نبی اکرمؐ نے گفتگو فرمائی اور لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ جمعہ کے اجتماع میں ضرور شریک ہوں۔ اس لیے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان صرف اللہ کی طرف توجہ کے ساتھ ایک اجتماع میں شریک ہو کر بیٹھتے ہیں اور ہر دل میں جو ایمان روشن ہے، اور اللہ کی تجلیات اُس قلبِ مؤمن پر آرہی ہیں تو اس سے سینکڑوں چراغ جلتے ہیں تو روشنی بہت پھیل جاتی ہے۔ اس اجتماع میں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے بیٹھنا مسلمان جماعت کے جوش اور جذبے کو بڑھاتا ہے۔ اُن کے اندر تحریک پیدا ہوتی ہے۔ سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انواراتِ الٰہیہ متوجہ ہوتے ہیں۔

فقہا کے ہاں جمعہ کا اجتماع وہیں پر فرض ہے، جہاں شہر ہو اور اس شہر کے اندر حاکمِ وقت جمعہ پڑھائے، تا کہ سیاسی طاقت کا اظہار ہو۔ اس لیے جمعہ ایک شہر میں ایک جامع مسجد میں ہونا چاہیے۔ یہ اُصول اور ضابطہ ہے۔ آج دورِ غلامی کے اثرات ہیں کہ ہر محلے کی مسجد میں جمعہ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے غلبے کے زمانے میں ایک شہر میں ایک بڑی جامع مسجد کے علاوہ کبھی کوئی جامع مسجد نہیں رہی۔ اس میں بادشاہ یا سرکاری نمائندہ اگر وہ عالم ہوتا، وہ خود، یا اُس کا نامزد کردہ سرکاری شاہی امام، جو دین کا سرکاری نمائندہ ہوتا تھا، وہ جمعہ پڑھاتا تھا۔ پرائیویٹ طور پر کوئی آدمی اپنا جمعہ شروع نہیں کر سکتا تھا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت الکثیب میں ہر جمعہ میں انبیا اور جنتیوں کا جب اجتماع کرتے ہیں تو اس وقت مالک الملک، شہنشاہِ مطلق، احکم الحاکمین اللہ تبارک و تعالیٰ اس میں اپنا نزولِ اجلال فرماتے ہیں۔ تو جیسے اللہ تعالیٰ نزولِ اجلال فرماتے ہیں، ایسے ہی اللہ کا نمائندہ نبی یا خلیفۂ نبی یا اُس کا نائب، تو جو خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اور وہ جب اپنے تخت پر نزولِ اجلال فرمائے گا تو جنت الکثیب سے مماثلت ہوگی۔ اس لیے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی اتھارٹی ہے، ایسے ہی اُس کے نائب کی اتھارٹی بھی ہوتی ہے۔ وہ سیاسی طاقت بھی رکھتا ہے۔

آج کل یہ جو جمعہ کے چھوٹے چھوٹے اجتماعات ہمارے محلوں کی مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ یہ صرف اس زمانے کے لیے تھا کہ جب ہندوستان غلام ہوا۔ اس وقت علما نے اجازت دی تھی کہ غلامی کے زمانے میں جمعہ کی اجتماعیت کا مزاج باقی رہے۔ اس کی عادت نہ چھوٹ جائے۔ جامع مسجد میں ایسا صاحبِ استعداد عالم جمعہ پڑھائے، جو علمی استعداد بھی رکھتا ہو، سیاسی استعداد بھی رکھتا ہو اور اُس میں طریقت اور قلب کی ایسی توجہ بھی ہو کہ وہ اُس جنت الکثیب سے ربط پیدا کر کے انسانی دلوں کو کھینچ کر اُس کے ساتھ جوڑنے کی اہلیت اور صلاحیت بھی رکھے۔ تا کہ ظاہری طور پر دنیا میں اگر خلافت یا حکومت اور دین کی سیاست نہیں بھی ہے تو احکم الحاکمین کی عدالت سے اُس کی روحانی سیاست کے اس دائرے سے لوگوں کو جوڑنے کی اہلیت اس میں ہو‘‘۔

جمعۃ المبارک کی اجتماعیت کے اثرات

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’آج کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ کوئی نوجوان مسجد میں نہیں آتا۔ عین اُس وقت جب عربی کا خطبہ شروع ہوتا ہے تو لوگ پہنچتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے جمعہ کے خطبات میں ان کے مسائل سے متعلق گفتگو نہیں ہوتی۔ یا ضعیف حدیثوں کی بنیاد پر حور و قصور کے قصے ہوں گے، یا پچھلے ماضی کے فخر و مباہات کے قصے ہوں گے۔ یا اَور کسی طرح کی بے کار سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ دین سکھانے، دین سمجھانے، اس کا شعور پیدا کرنے، فہم پیدا کرنے، جنت اور جہنم سے تذکیر و تذکر اور دینی سیاسی شعور کی بلندی کی طرف متوجہ کرنے اور اُن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کا علم عام طور پر خطیبوں کی گفتگو میں نہیں ہوتا۔ جب کہ جمعہ کے اجتماع کا اصل مقصد دلوں کو ذاتِ باری تعالیٰ سے جوڑنا اور تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔ اگر یہ نہیں، تو جمعہ کا اجتماع محض رسم ہے۔

معزز دوستو! جمعہ کے اجتماع کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس اجتماع میں شریک ہونا، اور پھر اس اجتماع کے ذریعے سے اہم ترین بات سیکھنا، یعنی سات دنوں بعد ایک دن دینی علم کو سیکھنے کے لیے، اپنے قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے وقت نکالنا لازمی اور ضروری ہے۔ اپنا کاروبار بند کر دیں، اپنا دفتر بند کر دیں، اپنے کام کاج بند کر دیں اور جمعہ کے لیے آئیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ایک جمعہ میں شرکا کے دل و دماغ میں انواراتِ الٰہیہ اُس اجتماع کی برکت سے پیدا ہوتے ہیں تو اگلے جمعہ تک اُن کا اثر رہتا ہے۔ اگلے جمعہ تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا اُن گناہوں سے انسان بچتا ہے۔ (صحیح بخاری: 883) اُس نور کا اثر انسان کے ضمیر پر چوٹ لگاتا ہے کہ تُو غلط کام کر رہا ہے۔ بے شعوری کی بات کر رہا ہے۔ غلط بات کہہ رہا ہے۔ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ ایک آدھ دفعہ تو سمجھاتا ہے اور بہت ہی کوئی ڈھیٹ ہو تو وہ کہتا ہے کہ چھوڑ و ضمیر و میر کو اور اپنا غلط کام کرو۔ جمعہ کے نور کا یہ اثر اُسے غلط کاموں سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب اگلا جمعہ آتا ہے تو آدمی دوبارہ گویا نورِ الٰہی سے چارج ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر مزید انواراتِ الٰہیہ کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اس لیے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جس نے لگاتار تین جمعہ چھوڑ دیے، خطرہ ہے کہ اُس پر غفلت کی مہر نہ لگ جائے۔ (سنن ابوداؤد: 1052) وہ گویا کہ اُس نورانی اجتماع سے محروم ہو گیا۔ اور اُس کے اثرات اس کے دل پر نہیں آئے تو غفلت کی وجہ سے اُس کا دل کہیں بند نہ کر دیا جائے کہ بھئی! تم اس سے آگے بڑھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اس لیے جمعہ کے اجتماع کی اہمیت سمجھ کر اس کی پوری تیاری کر کے اللہ کو راضی کرنے، اللہ کی طرف متوجہ رہیں۔ اس لیے یہاں آنے کے بعد بھی گپ شپ نہیں ہونی چاہیے۔ خاموشی سے قلب کو ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں۔ اللہ کے دین کی باتیں سننے اور سمجھنے کی طرف اپنے آپ کو متوجہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جمعہ اور اس اجتماعیت کی قدر کرنے اور اس سے انواراتِ الٰہیہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘‘ (آمین!)۔

وفیات

تحریر: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز

حضرت مولانا محمد اختر قاسمیؒ کا سانحۂ ارتحال

سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز اور جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، ضلع سہارن پور (انڈیا) کے مہتمم حضرت مولانا محمد اختر قاسمیؒ مؤرخہ ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ / یکم/ جنوری 2022ء بروز ہفتہ کو اِرتحال فرما گئے۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر ہندوستان بھر سے ہزاروں لوگ جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ مولانا مرحوم کے ہم سبق اور ساتھی حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی مدظلہٗ العالی (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جامعہ کے قبرستان میں ہی تدفین عمل میں لائی گئی۔ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون. إنّ لِلّٰہ ما أخَذَ و لہ ما أعطٰی و کُلُّ شَيءٍ عندہٗ إلٰی أجلٍ مُسمّٰی.

بلاشبہ حضرت مولانا قاسمیؒ گلشنِ رحیمی رائے پور کے ایک مہکتے ہوئے پھول تھے۔ ان کی روحانیت سے صدہا علما، طلبا اور متعلقینِ سلسلہ عالیہ رحیمیہ فیض یاب ہوئے۔ حضرت مولاناؒ نے جامعہ اسلامیہ کی پینتالیس سال خدمت کی، اس دوران ہزاروں طلبا ان سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت مولاناؒ کی وفات سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے تمام متوسلین اور جامعہ کے فضلا اور طلبا کے لیے انتہائی حزن و ملال کا باعث بنی۔ ہندوستان اور پاکستان میں رائے پوری سلسلے کے متعلقین ہی نہیں، بلکہ تمام دینی مراکز کے علما اور مشائخ نے اُن کی کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔ اس دوران ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں دورۂ تفسیر کے سلسلے میں سینکڑوں علما اور طلبا شریک تھے۔ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے دیگر مجازین اور خلفا یہاں جمع تھے۔ چناں چہ فوری طور پر حضرت مولاناؒ کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔

مولانا محمد اختر قاسمیؒ کی ولادت قصبہ ریڑھی تاج پورہ ضلع سہارن پور میں محترم محمد اسحاقؒ کے گھر 24/اپریل 1943ء کو ہوئی۔ والدِ محترم اگرچہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن انھوں نے بڑی محنت و مشقت سے رزقِ حلال کما کر اپنے خاندان کی پرورش کی۔ اسی رزقِ حلال کے اثرات تھے، جو آپؒ کی سیرت کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ آپؒ کی والدہ نہایت نیک سیرت تھیں۔ انھیں دینی تعلیم دلوانے کا بڑا شوق تھا۔ ابتدائی طور پر انھیں خود قاعدہ بھی پڑھایا۔ اس کے بعد ستمبر 1951ء میں جامعہ اسلامیہ میں باقاعدہ داخل ہوئے اور مولانا محمد صدیقؒ سے ناظرہ قرآن پاک اور پھر حافظ رشید احمدؒ سے حفظ مکمل کیا۔

حفظ کے بعد عصری تعلیم کے لیے جامعہ کے پرائمری کے شعبے میں داخل ہو کر پرائمری نصاب کے ساتھ ساتھ فارسی کی کتابوں کی تکمیل بھی کی۔ بعدازاں اسی جامعہ میں درسِ نظامی کا آغاز کیا اور ۱۳۸۳ھ/ 1964ء میں ''شرح جامی'' تک کتب پڑھیں۔ اس کے بعد درسِ نظامی کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند شریف لے گئے اور چار سال بعد ۱۳۸۶ھ/ 1967ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ آپؒ کے اساتذہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)، مولانا سیّد فخرالدین احمدؒ، حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے جید علما اور مشائخ شامل ہیں۔ اس کے بعد آپؒ جامعہ اسلامیہ میں علومِ دینیہ کی تدریس میں مشغول رہے۔ پھر 14/نومبر 1976ء کو جامعہ کے منصبِ اہتمام پر فائز ہوئے، جس پر آپؒ اپنے انتقال تک متمکن رہے۔ اس طرح آپؒ نے پینتالیس سال علومِ دینیہ کے فروغ کے لیے بہت عمدگی سے نظم و نسق قائم کیا۔

آپؒ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے تیسرے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ/نومبر 1987ء میں رائے پور ضلع سہارن پور میں بیعت ہوئے۔ اس موقع پر حضرت اقدس رائے پوریؒ کا ساڑھے تین ماہ (نومبر تا فروری 1987ء) گلشنِ رحیمی رائے پور میں قیام رہا تھا۔ راقم سطور کو بھی اس سفر میں حضرتؒ کی معیت حاصل رہی۔ اس موقع پر حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کا رائے پور آتے جاتے جامعہ اسلامیہ میں قیام ہوا۔ جامعہ کے علما اور طلبا آپؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ سے بیعت ہونے کے بعد پورے عزم و ہمت اور مجاہدے کے ساتھ سلسلے کے ذکر اور بتلائے گئے معمولات کو پورا کیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کے پاکستان سے رائے پور کے کئی اسفار ہوئے۔ اس دوران حضرت مولاناؒ بہت محبت اور عشق سے رائے پور میں قیام فرما ہوتے رہے۔

جون 1992ء میں حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کے وصال کے بعد آپؒ نے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے اُسی طرح اپنی تربیت اور تعلیم کا تعلق قائم رکھا۔ حضرت مولانا مرحوم کو حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ اور رابعؒ سے بڑی محبت تھی۔ اپنے حالات و کیفیات سے حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کو خطوط کے ذریعے آگاہ کرتے رہے۔ ٹیلی فون کے ذریعے بھی ہمیشہ حضرت رائے پوری رابعؒ سے رابطہ رکھتے تھے۔ حضرتؒ جب بھی رائے پور ہندوستان تشریف لے جاتے تو ان کے اِصرار پر جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ میں ضرور تشریف لے جاتے تھے اور طلبا کے سامنے بیانات فرماتے تھے۔ چناں چہ حضرت اقدس رائے پوریؒ مولاناؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: ''ریڑھی کا مدرسہ ہمارا مدرسہ ہے۔ یہاں ہم اپنے دل کی بات کھل کر کہہ دیتے ہیں''۔ حضرت مولاناؒ نے جب مشائخ رائے پور کی صحبت سے سلسلے کے معمولات میں کمال حاصل کیا تو حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ نے اپنے رائے پور کے سفر (صفر تا ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ/ مئی تا جولائی 1999ء) میں آپؒ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے حکم پر راقم سطور نے ہی اس کا مجمع عام میں اعلان کیا تھا۔ اس طرح حضرت مولانا محمد اختر قاسمیؒ کو سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے فروغ کے لیے ایک اہم ذمہ داری خانقاہ کی طرف سے سونپی گئی، جسے انھوں نے بڑی خوبی سے نبھایا اور ہمیشہ ہندوستان بھر میں سلسلۂ رائے پور کے متوسلین کے لیے ایک چھتر

سایہ کا کردار ادا کیا اور متعلقین کی سرپرستی کی۔ اس کے بعد آپؒ کئی بار حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی صحبت کے لیے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور پاکستان تشریف لائے۔ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے وصال کے بعد لاہور کے ایک سفر میں حضرتؒ کے حوالے سے ایک انٹرویو دیتے ہوئے مولانا مرحوم فرماتے ہیں: ''حضرت اقدس رائے پوریؒ کے اَخلاق بہت عمدہ تھے اور کوئی شخص آپؒ کے اعلیٰ اَخلاق سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپؒ نے اکابرین اور ان کی فکر و جدوجہد کا تعارف کروانا زندگی کا نصب العین اور مقصد بنا رکھا تھا۔ سخت سے سخت مشکل اور پریشانی بھی ان کی راہ میں حائل نہیں ہوسکی اور مکمل یقین اور اعتماد کے ساتھ آپؒ نے ولی اللّٰہی فکر و اصول پر جماعت کی تیاری کا عمل جاری رکھا۔ انھیں دیکھ کر اکابرین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی''۔

حضرت مولانا مرحوم؛ مشائخ رائے پور کے طریقۂ کار اور ولی اللّٰہی اُسلوب کے مطابق شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کے حامل شخصیت تھے۔ آپؒ ایک طرف جامعہ اسلامیہ میں درس و تدریس اور شریعتِ حقہ کی تعلیم و ترویج میں منہمک رہے اور بڑے عمدہ نظم و نسق کے ساتھ جامعہ کا نظام چلایا تو دوسری طرف رائے پوری سلسلے کے معمولات کی پابندی اور متوسلین کو سلسلۂ عالیہ رحیمیہ کے ساتھ جوڑنے اور سلوک و احسان کے فروغ کے لیے آپؒ نے بڑا کردار ادا کیا۔ اسی کے ساتھ آپؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی قائم کردہ جماعت ''جمعیت علمائے ہند'' ضلع سہارن پور کے امارت کے منصب پر بھی فائز رہے۔ اس سلسلے میں آپؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ آزادی کے حوالے سے جدوجہد اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی جدوجہد اور قومی کردار کو سامنے رکھ کر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے جامع فکر و عمل کو فروغ دینے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کو راقم سطور سے بھی بڑا محبت کا تعلق تھا۔ 1987ء کے سفر سے ہی انھوں نے راقم کے ساتھ اعزاز و اِکرام کا معاملہ رکھا۔ رائے پور کے اَسفار کے دوران جب بھی حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ جامعہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے تو حضرتؒ سے کہہ کر میرا بیان بھی طلبا کے سامنے ضرور کرایا کرتے تھے۔ ایک بار سفر میں بخاری شریف کے ختم کے موقع پر بھی بڑے اِصرار کے ساتھ بیان کرایا۔ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے وِصال (ستمبر 2012ء) کے بعد گویا آپؒ کی محبت اور تعلق مزید بڑھ گیا۔ مشائخ رائے پور کی نسبت کو سامنے رکھتے تھے، اس لیے ہمیشہ خط لکھنا اور آنے جانے والے لوگوں کے ہاتھوں اِکرام کی ہر شکل کو برقرار رکھنا ان کی خصوصیات رہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے مشائخ اور بزرگوں کی معیت نصیب فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ اُن کے صاحبزادگان؛ مولانا محمد ہارون، مولانا عبدالمنان، مولانا محمد میمون اور مولوی عبدالسبحان اور جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ کے نائب مہتمم مولانا محمد جمشید صاحب اور دیگر اربابِ اہتمام و انتظام کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے اور ان کا صحیح اور سچا جانشین نصیب فرمائے۔ (آمین!)

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے

قریبی اعزہ میں صدماتِ وفیات

گزشتہ دنوں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے قریبی خاندان صدمات سے دوچار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون. إنّ لِلّٰہ ما أخَذَ و لہ ما أعطٰی و کُلُّ شيئٍ عندہٗ إلٰی أجلٍ مُسمّٰی.

1۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے بڑے صاحبزادے راؤ مسعود احمد خاں 27/ستمبر 2021ء بروز سوموار کو انتقال کر گئے تھے۔ انھوں نے پسماندگان میں ایک بیوہ، دو بیٹے راؤ محبوب احمد اور راؤ منیب احمد اور دو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔

2۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے صاحبزادے راؤ خلیل احمد کے خسر اور راقم کے ماموں زاد بھائی راؤ حبیب الرحمن ولد راؤ اعزاز علی خاں ملتان میں مؤرخہ 23/دسمبر 2021ء کو وفات پا گئے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ملتان میں ہی تدفین عمل میں آئی۔ انھوں نے پسماندگان میں بیوہ، پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔

3۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے داماد اور چھوٹی صاحبزادی محترمہ کے شوہر راؤ صفدر علی خاں ولد راؤ علی حیدر خاں طویل بیماری کے بعد مؤرخہ یکم/جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ /5/جنوری 2022ء بروز بدھ کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ ان کی شادی دسمبر 1996ء میں حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ وفات کے روز ہی ظہر کے بعد راقم سطور نے ادارہ رحیمیہ میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے پہلو میں ''گلزارِ سعیدیہ رحیمیہ'' میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اس موقع پر ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں دورۂ تفسیر کے سلسلے میں ملک بھر سے حضرت اقدس رائے پوریؒ کے خلفا اور متوسلین جمع تھے۔ سب حضراتؒ نے اُن کے لیے ایصالِ ثواب بھی کیا۔ ان کے پسماندگان میں والدہ، بیوہ، ایک بیٹا راؤ یاسر علی خاں اور چار بھائی ہیں۔

4۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے بچپن کے ساتھی اور راقم کے چچا راؤ عبدالوہاب خاں کے بڑے صاحبزادے راؤ عبدالتواب خاں 21/جنوری 2022ء کو فیصل آباد میں انتقال کر گئے۔ انھوں نے اپنے پسماندگان میں بیوہ، ایک بیٹا اور تین بیٹیاں چھوڑی ہیں۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے خلفا؛ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر، حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جناب ڈاکٹر لیاقت علی شاہ اور ادارہ رحیمیہ کی مجلس منتظمہ اور مجلس شوریٰ کے اراکین اُن تمام حضرات کے خاندانوں سے تعزیت کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور انھیں اپنے مشائخ کے ساتھ اُخروی ترقی اور کامیابی نصیب فرمائے۔ (آمین!)

Monthly **RAHIMIA** Lahore CPL No. 59

الحمدللہ! فلسفہ ولی اللّٰہی کی تفہیم وتوضیح کی بنیادی کتاب

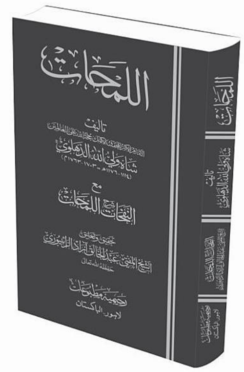

اللمحات
مع
النفحات شرح اللمحات

تصنیف
حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

تحقیق و تعلیق
حضرت مولانا مفتی عبدالخالق
آزادرائے پوری مدظلہ

چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ رحیمیہ بک شاپ پر دستیاب ہے۔

قیمت: 600 روپے

برائے رابطہ: رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ، (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089, 03216455369

بقیہ: OIC کا کھوکھلا پن!

1980ء میں افغانی پناہ گزین پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ وہ اور ان کی نسلیں آج پاک سرزمین پر اپنے قدم جما چکی ہیں۔ ان کی اپنے ملک میں اخلاص سے واپسی کی کوئی کاوش نہیں ہوئی۔ بی بی سی کی حالیہ رپورٹ کے مطابق ان کے نام پر پاک حکومتی اہل کار عالمی اداروں سے مستقل فنڈز وصول کر رہے ہیں۔ امریکا نے افغانستان کو تورابورا بنایا تھا۔ چناں چہ اسی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کی تعمیرِ نو کے لیے فنڈز فراہم کرے۔ امریکا کی برائن یونیورسٹی کی تحقیق کہتی ہے کہ گزشتہ 20 سالوں میں افغانستان پر 8 ٹریلین ڈالر خرچ ہوئے ہیں۔ اگر افغانستان کی سرزمین پر اتنی رقم خرچ کی گئی ہوتی تو یہ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں سرِفہرست ہوتا۔ امکان ہے کہ امریکا کی مقتدرہ نے افغانستان کے نام سے ایک اکاؤنٹ کھولا ہوا ہے۔ حکومت کے بجٹ سے ہر سال ایک مخصوص رقم نکلتی رہی اور افغان اکاؤنٹ میں ڈالی جاتی رہی ہے۔

حقیقت میں امریکا نے افغانستان پر ایک دھیلا بھی خرچ نہیں کیا۔ امریکا کی مقتدرہ جیسے باقی دنیا کے ساتھ چکر بازی کر رہی، اس کا یہی رویہ اپنی عوام کے ساتھ ہے۔ اسے چاہیے کہ مزید ایک سال کے لیے ایک ٹریلین امریکی ڈالر حقیقی معنوں میں افغانستان کے اکاؤنٹ میں ڈالتے رہیں۔ کیوں کہ وہ گزشتہ 40 سالوں سے افغانستان کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ غلاموں میں سے اگر کسی نے ایسی حماقت کی تو اسے نہ جانے کس قسم کی سزا کا سامنا کرنا پڑے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص امام کے ساتھ پوری نماز پڑھ چکا تھا تو اس کو شک ہوا کہ میری رکعت رہتی ہے، اس لیے کھڑا ہو گیا۔ بعد میں اس کو یقین ہو گیا کہ میں نے امام کے ساتھ نماز پوری کر لی تھی۔ اب وہ کیا کرے؟ محمد زبیر، بہاولپور

جواب وہ فوراً بیٹھ کر تشہد پڑھے۔ پھر سجدۂ سہو کر کے دوبارہ تشہد اور درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ کیوں کہ اس نے امام کے ساتھ سلام پھیرنے میں تاخیر کر دی۔

سوال میں بینک میں ایک اچھے عہدے پر ملازمت کر رہا ہوں۔ بینک کی آمدن کے علاوہ اب اتنے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ بینک کی ملازمت چھوڑ کر ان سے گھر اور دیگر اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔ جتنی آمدن بینک سے مستقل حاصل ہوتی ہے، اتنے اسباب تو نہیں، لیکن گزارا اچھا چل سکتا ہے۔ تو ان حالات میں میرے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ عبدالکریم، بہاولپور

جواب بینک چوں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بقا کا ذریعہ ہیں۔ اس میں معاشی تنگی اور مجبوری کے تحت ملازمت کی گنجائش ہے۔ جب دیگر اسبابِ آمدن کے ذرائع سے معاشی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں تو ملازمت چھوڑ کر انھی ذرائع کی ترقی پر توجہ دینی چاہیے۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ محمد شریف ولد فضل دین سکنہ چشتیاں ضلع بہاولنگر 25/جنوری 2007ء کو فوت ہوا:

(1) اس کے زندہ وارثان میں تین بیٹیاں؛ ثریا بی بی، صفیہ بی بی، کلثوم بی بی اور ایک بیوہ سرداراں بی بی ہیں۔ جب کہ اس کا لڑکا محمد اکبر، محمد شریف سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔ اب محمد اکبر کا ایک لڑکا محمد اجمل اور ایک لڑکی حفیظاں بی بی زندہ موجود ہیں۔

(2) پھر صفیہ بی بی لاولد 15/اکتوبر 2009ء کو فوت ہو گئی، جس کا خاوند صفیہ سے ایک سال پہلے فوت ہو گیا تھا۔ اب صفیہ کے ورثا میں اس کی والدہ سرداراں بی بی اور دو بہنیں؛ ثریا بی بی اور کلثوم بی بی زندہ موجود ہیں۔

(3) پھر 26/نومبر 2011ء میں سرداراں بی بی فوت ہوئی۔ اس کے ورثا میں اس کی دو بیٹیاں؛ ثریا بی بی اور کلثوم بی بی اور ایک پوتا محمد اجمل اور ایک پوتی حفیظاں بی بی زندہ موجود ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں وراثت کیسے تقسیم ہو گی وضاحت فرما دیں۔

سائل: محمد شبیر علی ولد محمد، چشتیاں، ضلع بہاولنگر

جواب متوفی محمد شریف کی وراثت بعد ادائے حقوق درجِ ذیل نقشے کے مطابق تقسیم ہو گی۔ کل حصے 648 ہوں گے، جن میں سے ثریا بی بی کے 227 حصے اور اسی طرح کلثوم بی بی کے بھی 227 حصص ہوں گے۔ جب کہ محمد اجمل کے 194 حصے ہوں گے۔ اور حفیظاں بی بی کو وراثت میں سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔